www.urdupalace.com

پوجا

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

یہ بات زد عام ہے کہ مردہ سوچیں زندگی کو غلام بنالیتی ہیں، وہ ایسا شیطانی ذہن ہے کہ جو کسی کھوپڑی میں نہیں سماسکتا، وہ معبد جہاں گائوں رات میں خوش ہوتا ہے اور جس کے سارے ساحر راکھ ہیں جو کہ......

صدیوں پرانی ایک حقیقت سامنے آئی تو اسے چشم دید دیکھ کر نوجوان دنگ گیا، حقیقی کہانی

میں ایک طویل سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ مشرقی سمندر کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ میں شام کے دھندلکے میں اس کی شوریدہ سر دلہروں کو ساحلی چٹانوں پر سر پٹختے سن رہا تھا۔ میں پہاڑی کے اوپر کھرا تھا جہاں لہراتے بل کھاتے بید مجنوں کے پیڑ آسمان کو چومنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے پیچھے دور آسمان پر شام کا پہلا ستارہ نمودار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں یہاں اپنے آباؤاجداد کے بلاوے پر آیا تھا انہوں نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی تھی جس کے تحت مجھے یہاں اس قدیم قصبے میں پہنچنا تھا جس کو میں نے صرف اپنے خوابوں میں دیکھا تھا۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے میں جس سڑک پر سفر طے کر کے آیا تھا اس پر تازہ برف کی ایک تہہ جم چکی تھی۔

مجھے اپنے آباؤاجداد کے ایک قدیم تہوار میں شریک ہونا تھا۔ یہ تہوار بہت قدیم ہے بیت اللحم، بابل

www.urdupalace.com

اور ممفس سے بھی زیادہ قدیم [illegible]
سفر طے کر کے آخر کار میں اس قدیم تہوار اور پوجا میں شرکت کے لئے اس سمندر پر پہنچ گیا تھا جہاں میرے قبیلے کے لوگ رہتے تھے اور اس وقت تہوار منا رہے تھے قبیلے کے ہر فرد کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنی اولاد کو حکم دیتے تھے کہ وہ دنیا کے جس کونے میں ہو جہاں بھی ہو، ہر سو سال میں ایک دفعہ ضرور یہاں آ کر اپنا یہ تہوار منائیں تا کہ پرکھوں کے اولین رازوں کو بھلایا نہ جا سکے۔ میرا قبیلہ اتنا ہی قدیم تھا جتنی قدیم یہ سرزمین۔ وہ جب یہاں آ کر آباد ہوئے تھے تو وہ یہاں اجنبی تھے کیونکہ وہ ایک اجنبی سرزمین سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے اور وہ ایک اجنبی زبان بولتے تھے مگر یہاں آ کر انہوں نے نیلی آنکھوں والے مچھیروں سے ان کی زبان سیکھ لی مگر ان کے تہوار اور عبادات ابھی تک اس اجنبی زبان میں تھے جنہیں صرف وہی سمجھ سکتے تھے۔

پہاڑی کی چوٹی سے میں نے بندرگاہ کو دیکھا جس پر یخ بستہ ٹھنڈ چھائی ہوئی تھی۔ قدیم طرز کے مکانوں کی مخروطی چھتوں اور میناروں پر، چمنیوں کے سروں پر، چھوٹے پلوں پر، بید مجنوں کے درخت اور قبرستان پر برف کی ایک سفید چادر خاموشی کا کفن پھیلا رہی تھی۔ معبد کے مرکزی مینار کی چوٹی ابھی تک وقت کی دست برد سے محفوظ تھی۔ مکانوں کی لامتناہی بھول بھلیاں جو ہر زاویے پر یوں پھیلی تھی جیسے کسی بچے کے بکھرے ہوئے کھلونے۔ مکانوں کی چھوٹے چھوٹے دریچوں والی روشن کھڑکیاں ایک ایک کر کے ٹھنڈے دھند لکے میں غائب ہو رہی تھیں۔ سمندر کی بپھری لہریں اچھل رہی تھیں۔ وہ پراسرار اور کبھی نہ بھولنے والا سمندر جس کی لہروں پر سواری کر کے میرے آباؤ اجداد قدیم وقتوں میں یہاں آئے تھے۔

سڑک کنارے آج بھی ایک بلند مینارہ ایستادہ تھا اس کے قریب ہی وہ قبرستان تھا جہاں قبروں کے کالے کتبے برف کی سفید چادر میں یوں سر اٹھائے کھڑے تھے جیسے کسی دیو قامت لاش کی انگلیوں کی پوریں۔ اس کے قریب سے گزرنے والی بے نشان سڑک بہت تنہا تھی۔ یہاں کہیں یہاں کے مقام باشندوں نے میرے چار قریبی رشتہ داروں

[illegible] میں 1692ء میں پھانسی دے دی تھی۔ مگر عین کس جگہ یہ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں تھا۔

سڑک کی ڈھلوان سمندر کی جانب اتر رہی تھی۔ میں شام کے دھند لکے میں گاؤں کی آوازیں سن سکتا تھا مگر دکھائی کچھ نہیں دے رہا تھا۔ تب میں نے موسم کا سناٹا اور زیادہ شدت سے محسوس کیا۔ میں نیچے اترتا رہا جہاں روشن گھروں کی پتھریلی دیواروں پر سمندر کی کھاری لہروں کے نشانات نمایاں تھے۔ لمبے ستونوں والے دروازوں کے نیچے سے اور کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی میں گلیوں کے مٹے مٹے نقوش نظر آ رہے تھے۔

میں خوب جانتا تھا کہ مجھے کہاں پہنچنا ہے اور کس سے ملنا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اور وہ میرا استقبال کریں گے مجھے خوش آمدید کہیں گے۔ لہٰذا میں عقبی گلی سے ہو کر ایک چوک تک پہنچا اور برف سے اٹے فٹ پاتھ پر چلتا ہوا ایک بڑی سی عمارت کے عقب میں پہنچ گیا۔ یہاں تک پہنچنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں ٹرام چلتی ہے مگر مجھے سڑک کے اوپر کوئی تار دکھائی نہیں دی اور شاید برف نے ان کی پٹریوں کو بھی چھپا لیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی سے گاؤں بہت خوب صورت نظر آ رہا تھا اور اب میں اپنے میزبانوں کے دروازے پر دستک دینے کو بے تاب تھا۔ گلی میں بائیں سے ساتواں گھر جس کی قدیم مخروطی چھت تھی اور جو 1650ء سے قبل تعمیر ہوا تھا۔

گھر کے اندر روشنی ہو رہی تھی میں نے کھڑکی کے شیشوں سے اندر جھانکا جو شاید کبھی کھلتے ہی نہیں تھے۔ ہمیشہ بند رہتے تھے۔ گھر کی دہلیز پتھریلی تھی آس پاس کے گھروں کی دہلیزیں بھی اونچی اور پتھریلی تھیں اور ان کے ساتھ لوہے کی ریلنگ تھی۔

میں نے ہولے سے دروازے پر لگا کنڈا بجایا۔ جب میری دستک کا جواب آیا تو میں ڈر گیا، کسی انجانے خوف نے مجھے اندر سے جکڑ لیا۔ کیونکہ میں نے دروازے تک آتی کسی کی آہٹ نہ سنی تھی پھر دروازہ چرمرا کر کھل گیا مگر میں زیادہ دیر خوف زدہ نہ رہا۔ گاؤں اوڑھے، سلیپر پہنے

www.urdupalace.com

وہ خوش گوار چہرہ لئے دروا[illegible] بولا مگر اس کے اشاروں سے صاف واضح تھا کہ وہ گونگا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتبہ جس پر قدیم رسم الخط میں لفظ خوش آمدید لکھا ہوا تھا۔

وہ مجھے نچلی چھت والے ایک کمرے میں لے گیا جہاں روشن موم بتی کے باوجود اندھیرا زیادہ تھا۔ کمرے میں سترہویں صدی کے نمونے کا فرنیچر پڑا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں جھکا ہوا ٹھنڈا آتش دان اور اس کے سامنے ایک چرخا رکھا تھا جس پر ایک کمر خمیدہ بوڑھی خاتون جھکی ہوئی دھاگہ کات رہی تھی۔ پورے ماحول پر ایک عجیب سی اداسی چھائی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کھڑکی کے پردے ایک جانب ہٹا دیئے ایک انجانا خوف مجھے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ جس کا تاثر گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ بوڑھے کی مسکراہٹ بڑی عجیب تھی اس کی آنکھوں کی پتلیاں بالکل بھی حرکت نہیں کر رہی تھیں۔ اس کے چہرے کی جلد بہت زیادہ چکنی تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی مصنوعی نقاب اوڑھے ہوئے ہو۔ اس کے ڈھیلی جلد والے ہاتھ نہایت پھرتی سے ایک تختی پر لکھ کر مجھے بتا رہے تھے کہ تھوڑا انتظار کرو جلد ہی ہم پوجا والی جگہ چلیں گے۔

کرسی میز اور کتابوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بوڑھا کمرے سے نکل گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں پڑی کتابیں اگرچہ قدیم طباعت میں تھیں لیکن بہت صاف ستھری اور نفیس تھیں۔ ان میں عرب سائنس دانوں اور فلسفیوں کی کتابیں بھی تھیں۔ لاطینی زبان کی ایک قدیم کتاب کا ترجمہ جو عرب فلسفی عبدل الحیظر ڈ نے کیا تھا وہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس کتاب کا ذکر تو میں نے کافی سنا تھا لیکن اس کو دیکھا کبھی نہیں تھا۔ کھڑکی سے باہر ہوا کے جھونکوں کی صدا سنائی دے رہی تھی اور اندر چرخے کی گھوں گھوں۔ میرے آباؤ اجداد کی قدیم روایات نے مجھے اس عجیب دعوت میں بلایا تھا اور مجھے ان عجیب حالات کی توقع تھی لہٰذا میں انہیں سمجھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا اور جلد ہی یہ پراسراریت میرے اندر جذب ہونے لگی۔ میں نے اس کتاب کو اٹھا لیا

[illegible] مجھے علم ہی نہ ہوسکا کہ میرا میزبان بوڑھا کب قدیم روایات کے مطابق لباس پہن کر واپس آیا اور میرے قریب بیٹھ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی میں نے کتاب واپس رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھا کونے میں پڑی منقش الماری تک گیا اور ٹوپی والے دو لبادے نکال لایا۔ ایک اس نے خود اوڑھ لیا اور دوسرا بڑھیا کے گرد لپیٹ دیا جو چرخہ چلانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ بڑھیا قدرے لنگڑا کر چل رہی تھی۔ بوڑھے نے انگلی کے اشارے سے مجھے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور لبادے کی ٹوپی سر پر اوڑھ لی۔

ہم تینوں اس قدیم گاؤں کی گلیوں میں چلنے لگے۔ گھروں کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ ہر گھر سے خاموش لبادہ پوش نکل رہے تھے اور گلیوں میں جلوس کی شکل اختیار کرتے ہوئے جھکی چھتوں اور ترچھے شیشوں والی کھڑکیوں کے قریب سے گزر رہے تھے۔

میں اس ہجوم میں اپنے بے آواز رہنماؤں کے پیچھے چلتا رہا۔ کھوئے سے کھوا چھل رہا تھا۔ کہنیاں ٹکرا رہی تھیں دھکے لگ رہے تھے مگر چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے دیکھا سارے مسافر ایک ہی طرف چلے جا رہے تھے اور ان کا رخ پہاڑی کے اوپر بنے سفید رنگ کے ایک عظیم معبد کی طرف تھا۔ اس عمارت کو میں گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے ہی شام کے دھندلکے میں دور سے دیکھ چکا تھا۔ اس کو دیکھ کر مجھے نجانے کیوں یہ بھوتوں کا گھر لگا۔

معبد کے آس پاس کھلی جگہ تھی۔ معبد کی عمارت لمبے لمبے ستونوں پر کھڑی تھی۔ اس کھلی جگہ میں ایک طرف قبرستان بھی نظر آ رہا تھا۔ قبروں کے کتبے خوف کے ناچتے شعلوں کی مانند سر اٹھائے کھڑے تھے۔ میں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھ سکتا تھا اور بندرگاہ پر چمکتے ستاروں کو بھی جو اس اندھیرے میں گاؤں سے نظر نہ آتے تھے۔ اس دوران میں صرف ایک دفعہ لالٹین خوف ناک انداز میں بھڑکی۔ لہرا تا بل کھاتا ہجوم اب معبد میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے قدم دھیمے کر لئے اور اس وقت تک انتظار کیا جب تک وہ لوگ معبد کے دروازے میں داخل نہ ہو گئے۔ وہ ایک

www.urdupalace.com

دوسرے کے پیچھے قطار بنا کر [illegible] میں سب سے پیچھے رہ گیا تھا مگر میرا میزبان بوڑھا اور چرخہ چلانے والی بڑھیا میرے پیچھے تھے۔ عمارت کے اندر بہت اندھیرا تھا۔ میں نے ایک دفعہ مڑ کر باہر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ معبد کا صحن عجیب خوف ناک نظارہ پیش کر رہا تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ باہر عمارت کے صحن میں جو برف بچھی ہوئی تھی اس پر کسی کے بھی قدموں کے نشان نہ تھے میرے بھی نہیں۔ حالانکہ سب لوگ اس پر چل کر اندر آئے تھے۔

ساری لالٹینیں اندر آنے کی وجہ سے ماحول روشن ہو گیا تھا۔ لوگ سفید بلند بنچوں کے درمیان خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ ان شب گردوں کی قطاریں بہت خوف ناک لگ رہی تھیں اور وہ ان بنچوں کے درمیان رینگتے ہوئے مزید ڈراؤنے محسوس ہو رہے تھے۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ معبد کا فرش ایک طرف سے ڈھلوان تھا۔ اگلے ہی لمحے سب ایک سیڑھی کے ذریعے نیچے اتر رہے تھے۔ یہ سیڑھی کھردرے پتھروں سے بنی ہوئی تھی اور بے انت گھومتی نیچے جا رہی تھی۔ ہر طرف دل دہلا دینے والا سکوت تھا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سیڑھی کے آس پاس جو دیواریں ہیں وہ چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی ہیں مگر جو چیز مجھے پریشان کر رہی تھیں وہ یہ کہ میرے قدموں کی کوئی آواز کوئی آہٹ ابھر نہیں رہی تھی۔ ہم سب بے آواز چل رہے تھے۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد مجھے دائیں بائیں راستے نکلتے نظر آئے جو اندھیروں میں گم ہو رہے تھے۔ سیلن زدہ بدبو بھی زیادہ ہو گئی تھی میں سمجھ گیا کہ ہم زمین کے نیچے پہاڑ کے اندر اتر رہے تھے۔ میں یہ سوچ کر ہی کانپ کر رہ گیا۔

تب میں نے دور ایک ٹمٹماتی روشنی دیکھی اور پھر پانی گرنے کی آواز آنے لگی۔ مجھے اندھیری رات کبھی بھی پسند نہ تھی۔ کاش میرے آباؤ اجداد نے مجھے یوں یہاں طلب نہ کیا ہوتا۔ راستہ چوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اس خوف ناک ماحول میں میرے کانوں سے بانسری کی تان ٹکرائی اور پھر اچانک میرے سامنے یوں جیسے پرتیں کھلتی چلی گئی

[illegible] مجھے بہت کچھ واضح نظر آنے لگا تھا۔ میرے سامنے ایک وسیع ندی بہہ رہی تھی۔ جو نجانے کہاں سے آ رہی تھی اور نجانے کہاں جا رہی تھی۔ اس کے کناروں پر سبزی مائل شعلے لپک رہے تھے۔

لبادوں کا ہجوم اس بہتے پانی کے کنارے مقدس سبز آگ کے گرد ایک دائرہ بنا رہا تھا۔ وہ اپنی قدیم مقدس مذہبی رسومات کا آغاز کر رہے تھے اور نذرانے پانی میں پھینک رہے تھے۔ بانسری کی لے اب زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آگ کے شعلے اور لپٹیں سر سے اونچی ہونے لگیں۔ مگر مجھے جس چیز نے زیادہ خوف زدہ کیا وہ آگ کے ستون تھے جو اب زمین سے پھوٹ رہے تھے مگر ان میں سایہ نہیں تھا جو عموماً شعلوں میں ہوتا ہے۔ نہ ہی ان میں حرارت تھی بس موت کا سکون اور سکوت تھا۔

میرا میزبان بے چینی سے شعلوں کے ان ستونوں کی طرف بڑھا اور عبادت کی حرکات کرنے لگا۔ اس نیم دائرے میں موجود ہر شخص اپنی عبادت میں مشغول تھا۔ میں بھی ان کے قریب ہو گیا کیونکہ مجھے تحریری طور پر اس پوجا میں شرکت کے لئے یہاں بلایا گیا تھا پھر میں نے دیکھا کہ اس بوڑھے نے اشارہ کیا اور ملگجے اندھیرے میں نظر آنے والے بانسری کی لے بدل دی۔ اس لے نے میرے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑا دی۔

اس ٹھنڈی آگ کے شعلوں والے دریا کے اوپر جو بے آواز بہہ رہا تھا بڑے بڑے پر پھیلائے عجیب سے خوف ناک پرندے نیچی پرواز کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے جھنڈ آگے بڑھ رہے تھے۔ کچھ قریب آ کر زمین پر اتر گئے اور کچھ دائرے کی شکل میں پرواز کرتے رہے۔ جب وہ ہجوم کے قریب پہنچے تو لوگ ان پر سوار ہوتے گئے اور یکے بعد دیگرے اس اندھیرے دریا کے پار پہنچنے لگے۔

چرخے والی بڑھیا بھی اس ہجوم میں شامل تھی مگر میرا میزبان بوڑھا پیچھے رہ گیا۔ جب اس نے ایک پرندے کو پکڑا اور اس پر دوسروں کی طرح سوار رہنے کی کوشش کی تو ایک دفعہ مڑ کر میری طرف دیکھا۔ میں اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ بوڑھا واپس اتر آیا۔ میں نے

www.urdupalace.com

دیکھا وہ بانسری نواز آنکھ [illegible] اوجھل ہو گیا [illegible] مگر دو پرندے اپنی جگہ کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ میں پیچھے کی طرف ہٹنے لگا تو بوڑھے نے اپنی تختی نکالی اور اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگا۔ جب اس نے تختی میری طرف کی تو میں نے دیکھا اس نے اس پر لکھا تھا کہ ”وہ میرے اس دادا کا اصل نائب ہے جس نے اس جگہ پوجا کا آغاز کیا تھا۔ میں واپس آ جاؤں ابھی اس جگہ کے اور راز کھلنا باقی ہیں۔“ جب اس نے مجھے ہچکچاتے دیکھا تو اس نے اپنے لبادے سے ایک مہر نکالی اور وہ گھڑی جو ہماری خاندانی تھی۔ وہ اپنی بات کو سچ ثابت کرنا چاہتا تھا۔ مگر میرے لئے یہ مبہم ثبوت تھے کیونکہ میں نے پرانے کاغذات میں پڑھا تھا کہ یہ گھڑی میرے دادا کے دادا کے ساتھ اس کی قبر میں دفنائی گئی تھی۔

بوڑھے نے اپنے چہرے سے لبادہ ہٹا دیا اور اشارے سے مجھے اپنی خاندانی مشابہت دکھانے لگا مگر مجھے یقین نہیں آیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کے چہرے پر ماسک ہے۔ جھنڈ کے پرندے اب بے تاب نظر آ رہے تھے۔ بوڑھا بھی انہی کی طرح بے تاب تھا۔ ان پرندوں میں سے ایک نے کچھ حرکت کی تو وہ بوڑھا اسے روکنے کے لئے تیزی سے اس کی طرف مڑا۔ اس کی اس اضطراری حرکت نے اس کا ماسک چہرے سے کھسکا دیا اور تب مجھ پر خوف کی وہی کیفیت طاری ہو گئی جو تنگی سیڑھیاں اترتے وقت طاری ہوئی تھی۔ میں نے بنا سوچے سمجھے اس بے آواز دریا میں چھلانگ لگا دی جو اس غاروں کے سمندر کے اندر سے کہیں پھوٹ رہا تھا پانی میں گرتے ہی میں بے ساختہ چیخ اٹھا۔

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو میں ایک اسپتال میں تھا۔ وہاں مجھے پتہ چلا کہ میں انہیں بندرگاہ پر صبح سویرے بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا ملا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں رات کے اندھیرے میں چلتا ہوا غلط راستے پر پہاڑی کی طرف مڑ گیا تھا اور چٹانوں کے اوپر سے نیچے گر گیا۔ یہ بات انہیں برف پر بننے والے میرے قدموں کے نشانات سے معلوم ہوئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے سب اندازے غلط ہیں میں کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ میرے پاس میری کسی بات کا ثبوت [illegible] اسپتال کے اس کمرے کی کھلی کھڑکی سے گھروں کی چھتوں کا سمندر نظر آتا تھا۔ ہر پانچ سے ایک چھت قدیم طرز تعمیر کی حامل تھی۔ نیچے سڑک پر گاڑیوں کا بے ہنگم شور تھا۔

کچھ دن بعد جب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو میں کھڑکی میں جا کھڑا ہوا مگر یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ یہ اسپتال اس بڑی پہاڑی کے دامن نہیں تھا جس پر وہ قدیم معبد قائم تھا۔ معبد پر نظر پڑتے ہی میرا ذہن پھر چکرانے لگا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب ہوش وحواس بحال ہوئے تو ڈاکٹروں نے بہتر علاج کے لئے مجھے اس علاقے کے مرکزی اسپتال میں منتقل کر دیا۔ یہ اسپتال مجھے پسند آیا۔ یہاں میری اچھی دیکھ بھال ہوئی یہاں سے صحت یاب ہو کر جب میں باہر نکلا تو میرے ذہن میں عرب فلسفی عبدالحیظر ڈ کی کتاب کا ایک باب بار بار چکرانے لگا۔ جسے میں سمجھنے کے باوجود سمجھنے سے قاصر تھا۔

ایک گھنٹے کی پیدل مسافت مجھے اچھی طرح یاد تھی۔ مگر کیا وہ میرا خوف ناک خواب تھا میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر یہ خواب تھا تو عبدالحیظر ڈ کی کتاب کا یہ باب کیا بیان کرتا ہے۔ میں اس کا صرف ایک پیراگراف بیان کر سکتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

”وہ نشیبی کھوہ جہاں گہری نظر کی گہرائی نہیں پہنچ سکتی ہشاں دار، مسحور کن اور خوب تر ہے، وہ زمین کی بددعا ہے جہاں مردہ سوچیں زندگی کو غلام بنا لیتی ہیں وہ ایسا شیطانی ذہن ہے جو کسی کھوپڑی میں نہیں سما سکتا۔ وہ معبد جہاں گاؤں رات کو خوش ہوتا ہے جس کے سارے ساحر راکھ ہیں یہ ایک پرانی افواہ ہے کہ شیطان کی روح اپنے مردہ گھر کی مٹی سے جلدی نہیں لائی گئی مگر وہ کیڑے جو گھن کے ہیں زندگی کی دہشت ناک بہار میں عمدگی سے بڑھتے ہیں اور بیماری پھیلاتے ہیں ان کے لئے زمین کے اندر عظیم سوراخ کھودے گئے جہاں زمین کی نسیں کافی ہیں وہاں وہ چیزیں چلنا سیکھتی ہیں جو پہلے رینگ رہی تھیں۔“